میجر (ر) خالد فتح محمد کی ناول نگاری

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن میو

Dr. Ata Ur Rehman Meo

Associate Professor, Deptt Of Urdu

Lahore Garrison University Lahore

محمد وقاص

Muhammad Waqas

Assistant Librarian

Lahore Garrison University Lahore

Abstract:

Major (R) Khalid Fateh Muhammad is a renowned novelist. He has versatile art of writing, highly appreciated in the literary circle. In his novels, he has established the ideas about social justice, poverty, hunger, thrust, and socio political issues prevailing in the society. The characters in his novels are very natural, original and out spoken. In this research paper, the critical study of his works is being described in details, expressed in his eight novels. In this study all aspects will be discussed in the wider context of his concepts of literature.

تخلیق، تخلیقیت، تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ یہ وہ خوبی یا سعادت ہے کہ جس کے بارے میں کہا گیا ہے:

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خداوند بخشندہ

زور بازو سے تلوار تو چلائی جا سکتی ہے لیکن قلم چلانا ناممکن ہے۔ قلم کی طاقت تلوار کی ضرب سے زیادہ ہے۔ تلوار کے ذریعے آپ اپنے مخالفین پر کاری ضرب لگا سکتے ہیں، انھیں زندگی سے محروم کر سکتے ہیں یا ہاتھ پاؤں کاٹ سکتے ہیں۔ جب کہ قلم کے استعمال سے آپ نہ صرف معاشرے بلکہ نسلوں کو سدھار سکتے ہیں، رب کائنات کا ارشاد ہے۔

اقرا وربک الاکرم(۳) الذی علمه بالقلم(۴)(۱)

ترجمہ: پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔

قلم میں بڑی طاقت ہے، اس کے ذریعے ہی قوموں کی تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں، اسی کے ذریعے ہی انصاف کا بول بالا ہوتا ہے جس کے ذریعے قومیں اپنے مہذب ہونے کا ثبوت دیتی ہیں، یہی قلم کی طاقت جب سپاہی کا ہتھیار بن جائے تو اس کی طاقت دوآتشہ ہو جاتی ہے۔ قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں پاک فوج سے وابستہ سپاہی سے لے کر جرنیل تک بیشتر نے قلم کا سہارا لے کر ناموری پائی، ان لوگوں نے جنگ وجدل اور بارود کی بو سے نبرد آزما ہونے کے باوجود قلم کی طاقت سے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا لوہا منوایا، جنرل (ر) عبدالرحمٰن، بریگیڈیر (ر) گلزار، کرنل (ر) عبدالرحمٰن، بریگیڈیئر (ر) گلزار، بریگیڈیر صدیق سالک، کرنل (ر) ضمیر جعفری، کیپٹن (ر) فیاض محمود، ونگ کمانڈر (ر) مظفر علی سید، ونگ کمانڈر (ر) فہیم اعظمی سے لے کر آج تک ایک طویل فہرست ہے، اسی فہرست میں ایک نام میجر (ر) خالد فتح محمد کا بھی ہے۔ میجر (ر) خالد فتح محمد ایک وضع دار انسان ہیں، علمی، ادبی، فوجی اور راجپوت گھرانے سے تعلق ہے۔ مشرقیت کے دلدادہ اور وطن عزیز کو ترقی کی بلندی پر دیکھنے کے خواہاں ہیں، خالد فتح محمد کے والد نے بھی برٹش انڈین آرمی میں کمیشن حاصل کیا تھا، ان کے ایک بھائی طارق یعقوب فتح محمد ریٹائرڈ بریگیڈیر ہیں، ایک بھائی بابر یعقوب فتح محمد سیکرٹری الیکشن کمیشن آف پاکستان ہیں جبکہ ایک بھائی ڈاکٹر عامر علی حسین ڈائریکٹر فارنیکس پنجاب کے عہدے پر خدمات انجام دے چکے ہیں، آپ کا خاندان ماڑی بوچیاں، ضلع گورداسپور سے ہجرت کر کے جے سنگھ ضلع گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ہوا، دیہات سے تعلق ہونے کے باوجود آپ کا خاندان اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہے۔

خالد فتح محمد نے ۱۹۶۹ء میں پاک آرمی میں کمیشن حاصل کیا، یونٹ ۱۱ کیولری (ایف ایف) میں تقرر ہوا، ٹروپ لیڈر، ایڈوجوئنٹنٹ، جی ایس او ۳، آپریشنز، سکواڈرن کمانڈ، ڈی کیو، سیکنڈان کمانڈ کے عہدوں پر فائز رہے۔ کھاریاں، نوشہرہ، لاہور، حیدرآباد، گوجرانوالہ میں پوسٹنگ رہی، ۱۹۷۱ء میں کچھ عرصہ مشرقی پاکستان میں رہے، زخمی ہونے کی بنا پر واپس آگئے اور گوجرانوالہ میں پوسٹنگ کے دوران ۱۹۹۳ء میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔ (۲)

خالد فتح محمد نے آرمی سے ریٹائرمنٹ کے بعد فکشن رائٹنگ کی طرف توجہ دی اور عالمی معیار کے ناول لکھے عالمی معیار کا فکشن تبھی لکھا جا سکتا ہے، جب گرد و نواح کے ماحول اور علمی و ادبی سرگرمیوں پر گہری نگاہ ہو، وہبی صلاحیت کے زور پر ایک کتاب تو لکھی جا سکتی ہے لیکن بہت کچھ لکھنے کیلئے جو کوالٹی اور ورائٹی ہونی چاہیے اس کے لیے صاحب مطالعہ ہونا ضروری ہے، اس حوالے سے جب ان سے مکالمہ ہوا تو خالد فتح محمد اپنی زندگی اور ناول نگاری (فکشن) کے حوالے سے یوں گویا ہوئے۔

میں بچپن ہی سے ڈریمی سا تھا، ہمہ وقت یوٹوپیا میں کھویا رہتا، خواب دیکھنا اور ان کو حقیقت میں بدلنا زندگی کا مقصد بن گیا، میری یہ تحریریں میرے اپنے خوابوں کی عملی تعبیر ہیں اور اب تو یہ خواب زندگی پر محیط ہیں، ان کے نزدیک زندگی میں مختلف مراحل آتے ہیں، پرائمری سطح پر کچھ خواب ہوتے ہیں، مڈل میں کچھ، میٹرک میں کچھ اور جبکہ اعلیٰ تعلیمی سطح پر آپکا یوٹوپیا، آپ کے خواب اور سوچ کے زاویے ایک توانا عملی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ آپ کے خیالات کے تغیر میں ایک ٹھہراؤ آ جاتا ہے۔ میں نے بھی ملکی اور غیر ملکی ادب پڑھا ہے، لیکن اثرات کسی کے قبول نہیں کیے۔ کیونکہ میرا اپنا وژن ہے، میرے وطن کے اپنے مسائل ہیں، انھیں کس طرح ایڈریس کرنا ہے؟ کیسا علاج تجویز کرنا ہے؟ حالات کا دھارا کیسے تبدیل ہوگا؟ یہ تمام چیزیں میری تحریروں کا مرکز و محور ہیں۔ اب یہ نقاد پر منحصر ہے کہ وہ میری تحریروں کو کس نکتہ نظر سے جانچتا ہے۔ کیا معانی و مطالب اخذ کرتا ہے؟ میں نے جو دیہات دیکھے ہیں، لوگوں کو جانوروں سے بدتر زندگی گزارتے دیکھا ہے، ان کے مسائل اجاگر کیے ہیں، زمانی فرق بخوبی

دیکھا جا سکتا ہے۔ موجودہ عہد کے مزدور، دیہات کے ناگفتہ بہ حالات، آج کے مسائل میری تحریروں کا مرکز ہیں، Lowest سوسائٹی اور Highest طبقے کے مابین جو خلیج حائل ہے، میں نے اس کی بات کی ہے، میں کبھی اپنی تحریریں پبلشر کو دینے کے بعد سکون سے نہیں بیٹھتا بلکہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں انھیں مزید بہتر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آج کے عہد میں ہمارا رائٹر وائٹ کالر اشرافیہ کا حصہ ہے، ان کا ایک خاص مائنڈ سیٹ ہے، یہ ناول کی صدی ہے لیکن ہمارے یہ رائٹر ان کی پروجیکشن کر رہے ہیں، اب وہ وسیع ہورائزن نہیں رہا، ہمارا آج کا نقاد تھیوری کے پیچھے بھاگتا ہے، عملی مسائل سے آگاہ نہیں ہے۔(۳)

خالد فتح محمد نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار افسانہ نگاری سے کیا، ''اماں نیلی'' ان کا پہلا افسانہ تھا۔ جو ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا، جسے بے حد سراہا گیا۔ ۲۰۰۶ء میں ان کا پہلا ناول ''پری'' منظر عام پر آیا۔ ۲۰۰۸ء میں ''خلیج'' ۲۰۱۱ء میں ''ٹبہ'' ۲۰۱۴ء میں ''سانپ سے زیادہ سیراب'' ۲۰۱۵ء میں ''شہر مدفون'' ۲۰۱۷ء میں ''اے عشق بلا خیز'' اور ''کوہ گراں'' جبکہ ۲۰۱۹ء میں ''زینہ'' شائع ہوا۔ داغ داغ اجالا، جمع تقسیم، پانچ منٹ کی زندگی، آئینے سے باہر چہرہ، تانبے کے برتن آپ کے افسانوی مجموعے ہیں۔ آپ نے ترکی ادب سے چنیدہ ناولوں کے اردو میں تراجم بھی کیے ہیں۔ ان تراجم میں ''باپ کا گھر''، ''بیکار کے مہ و سال''، ''جمیلہ''، ''بیرک ۲۷ کے قیدی'' شامل ہیں۔ کتب بینی، ٹی وی پر کھیلیں دیکھنا، کاغذ قلم سے کھیلنا اور لکھتے ہی چلے جانا آپ کی زندگی کے مشاغل ہیں، کچھ عرصہ آپ مزدور کسان پارٹی کا حصہ رہے اور اب انجمن ترقی پسند مصنفین گوجرانوالہ کے صدر ہیں۔

افسانہ نگاری، ناول نویسی، ترجمہ نگاری، تنقید نگاری، تجزیہ نگاری ان کی ادبی اور تخلیقی جہتیں ہیں۔ ''ادراک'' کے نام سے اپنا ادبی رسالہ بھی نکالتے ہیں، ادبی محافل میں مہمان خصوصی کے طور پر بلائے جاتے ہیں، ان کی ادبی، تخلیقی کاوشوں پر درج ذیل مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ میجر (ر) خالد فتح محمد: احوال و آثار، سدرہ خالد، مقالہ برائے ایم۔ فل اردو، مملوکہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، شادمان لاہور، ۲۰۱۵ء

۲۔ خالد فتح محمد کی ناول نگاری: نطاشہ مسعود، مقالہ برائے ایم۔ اے اردو، (''پری'' اور ''خلیج'' کے حوالے سے) مملوکہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء

۳۔ خالد فتح محمد کی ناول نگاری، مہ جبیں اختر، مقالہ برائے ایم۔ ایس اردو آنرز، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۱۷ء

۴۔ خالد فتح محمد کے ناولوں کے نمایاں کردار، تانیہ ظہور، زیر تکمیل مقالہ برائے ایم۔ فل اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، شادمان لاہور، ۲۰۱۹ء

۵۔ خالد فتح محمد کے ناول ''زینہ'' کا تجزیاتی مطالعہ، زیر تکمیل مقالہ برائے بی۔ ایس آنرز، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۱۹ء

خالد فتح آٹھ ناول لکھ کر نقادوں سے داد پا چکے ہیں، کچھ ابھی زیر طبع ہیں۔ خالد فتح محمد کے ناولوں کے پلاٹ مربوط اور گٹھے ہوئے ہیں، ان کے ناول پڑھتے ہوئے کہیں جھول محسوس نہیں ہوتا۔ جس طرح پتلیوں کا تماشہ دکھانے والا اپنے ہاتھوں کی مہارت اور موقع محل کی مناسبت سے اپنے خود ساختہ کرداروں کو آگے بڑھا کر ناظرین سے داد سمیٹتا ہے۔ بعینہ خالد فتح محمد بھی اسی

چابکدستی کے ساتھ قارئین کے سامنے پلاٹ کے تانے بانے کے مطابق جو کردار، مناظر، زمان و مکاں اور مکالمے پیش کرتے ہیں، پڑھنے والوں کے لیے ان میں ہر طرح کی دلچسپی کا سامان موجود ہوتا ہے، سید عابد علی عابد اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''جس طرح شاعر کوئی نظم کہنے سے پہلے اپنے ذہن میں اپنے افکار و تصورات کو منطقی طور پر ترتیب دیتا ہے۔۔۔اسی طرح ایک ناول نگار بھی اپنی کہانی کے تمام بنیادی عناصر کو لے کر ان کا ایک منطقی سلسلہ قائم کرتا ہے۔ واقعات باہم اس طرح مربوط ہو جاتے ہیں کہ ایک واقعہ دوسرے واقعے سے ابھرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کہیں علت اور معلول کی صورت پیدا ہوتی ہے کہیں کسی اور لزوم کی، لیکن بہر حال کہانی کے واقعات مربوط ہو کر افکار کے ایک سلسلے کا روپ دھارتے ہیں۔'' (۴)

واقعات کی یہی مربوط شکل ہمیں خالد فتح محمد کے ناولوں میں دکھائی دیتی ہے، ان کا کوئی بھی ناول پڑھ لیں، ان میں بیان کردہ واقعات کے بطن سے ایک نیا واقعہ جنم لیتا ہے۔ مرکزی کرداروں کے ساتھ ساتھ ضمنی کردار بھی ناول کی کہانی کو رواں اور سہل انداز سے آگے بڑھانے میں اپنا کردار بخوبی نبھاتے ہیں، یہ کردار غیر مرئی دنیا سے تعلق نہیں رکھتے، اسی عالم آب و گل کے باسی ہیں، اسی معاشرے میں پرورش پا کر سن بلوغت کی حدود پار کی ہے، معاشرتی نشیب و فراز سے گزرے ہیں۔ نیکی و بدی کی پہچان ان کا امتیاز ہے۔ معاشرے میں جو دو عملی کی کیفیت اور ظاہر و باطن کا جو تضاد پایا جاتا ہے۔ منافقت کا سہارا لے کر جس طرح سادہ لوح عوام کے لیے دودھ اور شہد کی نہریں جاری کرنے کے سنہرے، روپہلے خواب دکھائے جاتے ہیں۔ خالد فتح محمد کے کردار نہ صرف ان ہتھکنڈوں سے واقف ہیں، بلکہ بوقت ضرورت وہ قوم کے ان مسیحاؤں کے چہروں سے نقاب کھرچنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

ان کے ناول ''سانپ سے زیادہ سیراب'' کے نمایاں کردار طاہرہ، نور محمد آتش، محمود احمد قاضی اور حکیم صاحب ہیں، اس کا بنیادی کردار شیخ سبحان ہے جو اپنی دولت کے بل بوتے پر سیاست میں داخل کر اقتدار کے تخت پر بیٹھنے کا خواہشمند ہے، جبکہ نور محمد آتش ''دُلا بھٹی'' بن کر سامراج کا قلع قمع کرنا چاہتا ہے۔

ناول ''زینہ'' کے کرداروں میں سہیل، ہادیہ، خان زادہ فہیم، مارتھا، فرزانہ اہم کردار ہیں، ناول نگار نے ان کرداروں کے ذریعے سے جنسی نا آسودگی، بے راہروی، ارباب بست و کشاد کے منافقانہ کردار کا پردہ چاک کیا ہے کہ کس طرح نامحسوس انداز میں اقتدار کے مہرے اور پیادے تیار کیے جاتے ہیں اور پھر مخصوص وقت پر اقتدار کی زمام انھیں تھمادی جاتی ہے کہ وہ جیسے چاہیں ریاست پر حکمرانی کریں لیکن ایک مخصوص دائرے میں رہ کر، ناول ''خلیج'' کے کرداروں میں لیفٹیننٹ افضل، فاخرہ، یاسمین، مرشد، نمایاں ہیں، ضمنی کرداروں میں کرن بشیر، میجر بلال کہانی کو آگے بڑھانے میں معاونت کرتے ہیں، ناول میں اختصار و جامعیت کے ساتھ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائیوں اور مکتی باہنی کے گھناؤنے کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اکیسویں صدی میں جو ادب لکھا جا رہا ہے، اس میں نہ صرف ملکی حالات کا کھل کر تذکرہ ہے بلکہ گلوبل ولیج کے حوالے سے بین الاقوامی مسائل بھی زیر بحث ہیں، خالد فتح محمد نے اپنے ناولوں میں دونوں حوالوں سے مجبور، بے بس، ظلم و جبر، غربت و افلاس، جنگ و جدل، بھوک و قحط، خشک سالی میں جکڑے انسانوں کی ترجمانی کی ہے، پروفیسر سحر انصاری ''اکیسویں

صدی اور ادیب'' کے موضوع پر لکھتے ہیں:

''اکیسویں صدی کے ۱۹ سال گزر چکے ہیں، ہمارا معاشرہ مسلسل بے یقینی، دہشت گردی، مایوسی اور خطرات کے اندیشوں کا شکار ہے، ہمارے خطہ ارض پر انسانی سطح کے حوالے سے جو اذیت ناک سانحے ہو رہے ہیں، وہ کسی خاص علاقے تک محدود نہیں، کہیں بھی امن و سلامتی کا مکمل چراغاں نظر نہیں آتا۔ اندھیرے زیادہ ہیں روشنیاں کم، حالاں کہ یہ کوئی تقدیر مبرم نہیں ہے۔'' (۵)

میجر (ر) خالد فتح محمد نے اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ناول نگاری شروع کی وہ اپنے کرداروں کے ذریعے سے مذکورہ حالات پر عوام سے مکالمہ کرتے ہیں وہ عوام کو سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی منافرت کے عفریت سے آزاد کروا کر ان کے چہروں پر دائمی خوشیاں دیکھنے کے متمنی ہیں، ایک ایسا معاشرہ جو فیوڈل لارڈز، سرمایہ داروں اور مقتدر قوتوں کے ہاتھوں اپنی آزادی رہن رکھ چکا ہو، تو ادیب ناقوس بجا کر اسے اپنی آزادی کا احساس دلاتا ہے یہی آج کا ادیب کر رہا ہے، خالد فتح محمد بھی اسی قافلے کا راہی ہے، جو اپنی تحریروں کے ذریعے سے جرات رندانہ کے ساتھ حق و صداقت کا علم تھامے میدان عمل میں موجود ہے اس کے ناول اس کے عمل کی گواہی ہیں۔

اس کا ناول ''کوہ گراں'' ملک میں بڑھتی ہوئی قحط سالی اور آبی وسائل میں تیزی سے ہوتی کمی کے تناظر میں لکھا گیا ہے، اگر ہمارے حکمران آپس کے مناقشات کی بجائے آبی وسائل کو ترقی دینے کے اقدامات کرتے تو آج ملک زراعت کے میدان میں ترقی یافتہ ہوتا اور سستی پن بجلی بھی وافر مقدار میں بن رہی ہوتی، لیکن ہم نے من حیث القوم قدرتی آبی وسائل کو بھی اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا۔ خالد فتح محمد پانی کی اہمیت کے حوالے سے اپنے کردار حلیم کی زبان سے دیسو کو بتاتے ہیں:

''اتنا ہوگا ہی نہیں کہ بہے، اسے ضائع ہونے سے بچانا ہوگا دنیا کا تین چوتھائی حصہ پانی ہے، صرف ایک حصہ خشکی ہے اور اس حصے میں بھی دریا، جھیلیں اور ندی نالے ہیں۔'' (۶)

ایک اور مکالمہ ملاحظہ ہو، دیسو گاؤں کی بنجر زمینوں کے بارے میں چودھری حلیم کو کہتا ہے:

''دریا خشک ہوا تو بڑی نہر خشک ہوگئی، بڑی نہر خشک ہوئی تو اس میں سے نکلنے والی چھوٹی نہر بھی خشک ہوگئی۔۔۔ زیر زمین پانی کی سطح نیچے چلی گئی بور اور گہرے کر دیے گئے۔ اس کے بعد یوں ہوا کہ ہمارے علاقے میں زمین کے نیچے ایک پہاڑ آ گیا۔ جہاں بھی بور کیا جاتا، نیچے گہرائی میں چٹان ہوتی۔ پانی ختم ہو گیا۔ زمین بنجر ہونا شروع ہوگئی، زمین کے اندر نمی سے فصل اُگتی مگر پانی نہ ملنے کی وجہ سے جل جاتی۔'' (۷)

ناول کوہ گراں سعی و جہد کی داستان ہے، مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ حرکت میں برکت ہے، بے کار سے بے گار بھلی، اگر ہم مستقبل میں خوشگوار زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو ہمیں، سستی، کاہلی، نکمے پن اور محنت سے جی چرانا ایسے فعل سے تائب ہو کر محنت و جفاکشی اور قائداعظم کے اس فرمان کام، کام اور کام کے مقولے کو حرز جاں بنانا ہوگا۔ تبھی یہاں کی بنجر زمینیں

سیراب ہوں گی، ڈیم بنائے جا سکیں گے اور ملک زرعی میدان میں آگے بڑھے گا، ناول کے کرداروں میں مولوی تاج علی (استاد)، مراد علی، حاجی حفیظ، چودھری حلیم، گڈو، دیسو نمایاں ہیں۔ ناول کوہ گراں کے کچھ اقتباسات/ مکالمے دیکھیے۔

ا۔ جب استاد معاشرے کے لیے فعال کردار ادا نہیں کرتا تو تب معاشرہ بربادی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ زوال پذیر معاشرے کی تلخ حقیقت ہے۔'' (۸)

حاجی حفیظ کا کردار ملاحظہ ہو کہ کس خوبصورتی سے اس نے معاشرے کے برے کرداروں کو بے نقاب کیا ہے۔

''جھوٹ بولنا، طمع، حسد، حرص، رشوت لینا، فضول بولنا، خوشامد پرستی حاجی حفیظ کے کردار کا اہم حصہ ہیں۔'' (۹)

کوہ گراں کا پلاٹ مستقبل میں پیش آمدہ خشک سالی کا بہترین تانا بانا ہے۔ ناول کے کردار پوری تندہی کے ساتھ مستقبل کے خطرات کو بھانپتے ہوئے مرکزی کردار چودھری حلیم کا ساتھ دیتے ہیں تاکہ آنے والی مشکلات سے نمٹنے کے لیے کوئی بہتر راستہ نکالا جا سکے، ناول کے سبھی کردار اس ضمن میں بڑے متحرک اور باہمت دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر طاہرہ سرور خالد فتح محمد کی ناول نگاری کے حوالے سے لکھتی ہیں:

''خالد فتح محمد نے اپنے ناولوں میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی ہے، ان کا مشاہدہ وسیع اور تجزیہ ہمہ گیر ہے۔ اسلوب کے حوالے سے بھی خالد فتح محمد کے ناول انفرادیت کے حامل ہیں۔ وہ بڑے سادہ انداز میں کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں اور واقعات کو آپس میں مربوط رکھتے ہیں۔'' (۱۰)

''سانپ سے زیادہ سیراب'' ناول میں گوجرانوالہ کے وسیب اور تاریخ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول میں دائیں اور بائیں بازو کے نظریات، معاشرے پر جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے اثرات، ہجرت کے مصائب و آلام، ملکی اقتصادات 1965ء کی جنگ اور اس کے وطن عزیز پر دیرپا اثرات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ اس جنگ نے دانشوروں ادیبوں اور شاعروں کی فکر میں جو تبدیلیاں پیدا کیں، ناول نگار نے بڑی عمیق نظروں سے اس کا بھی محاکمہ کیا ہے، خالد فتح محمد نے جزئیات تک بیان کر دی ہیں، ناول سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''ہر موسم شہر کو اپنا مزاج دیتا، گرمیوں میں برف کی دکانیں کھل جاتیں، شہر کے گرد و نواح میں لگے برف کے کارخانوں سے سلیں ریڑھیوں کے ذریعے دکانوں پر پہنچا دی جاتیں، شربت کی ریڑھیاں، بازاروں اور گلی کوچوں میں کاروبار کرنے لگتیں، قلفہ، فالودہ، برف پر لگی کھیر کی ٹھوٹھیاں، آئس کریم، برف کے گولے، ٹھنڈا دودھ اور کچی لسی دکانوں پر بکنے لگتیں، سڑک کے کناروں پر تربوز کے ڈھیر لگ جاتے، لوگ چلتے پھرتے کچھ نہ کچھ کھاتے ہوئے اپنی بھوک یا کچھ پیتے ہوئے اپنی پیاس بجھاتے سردیوں میں گاجر کا حلوہ، کشمیری چائے، خشک میوے، ریوڑیاں، ابلے ہوئے انڈے بکنا شروع ہو جاتے اور استعمال شدہ گرم کپڑوں کے سٹال کھمبیوں کی طرح اگ آتے۔'' (۱۱)

''شہرِ مدفون'' خالد فتح محمد کا ترتیب کے لحاظ سے پانچواں ناول ہے، جو 2015ء میں اشاعت پذیر ہوا، ناول کا پلاٹ عمدہ اور چست ہے، اس کی کہانی قاری پر ایک سحر طاری کر دیتی ہے اور جب تک ناول ختم نہ ہو جائے اس کی دلچسپی اور حیرت ختم نہیں ہوتی۔ مصنف نے بڑے احسن طریقے سے رائے بوچا مل اور اس کی نسل کی کہانی کے پردے میں برصغیر پاک و ہند کی چار سو سالہ تاریخ رقم کر دی ہے، اگر یوں کہا جائے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے تو اس میں مبالغہ نہیں ہے، مغل بادشاہ بابر سے لے کر موجودہ عہد تک ایک سلیقے سے واقعات کو مربوط انداز میں بیان کرنا تاریخ پر خالد فتح محمد کے گہرے مطالعے کو ظاہر کرتا ہے۔ جملہ فنی محاسن کے حوالے سے یہ ایک مضبوط ناول ہے۔ مہ جبیں اختر کے نزدیک:

> ''خالد فتح محمد کے ناول حقیقی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں، ان کی تحریروں میں ہمیں معاشرہ، جیتا جاگتا اور سانس لیتا محسوس ہوتا ہے، ان کے ناول معاشی، معاشرتی، سماجی، سیاسی، اقتصادی، عسکری اور ادیبانہ فکر کے عکاس ہیں۔'' (۱۲)

آج ہم من حیث القوم جن مسائل سے نبرد آزما ہیں، خالد فتح محمد ان مسائل کے پس پردہ عوامل کو اس خوبصورتی کے ساتھ قارئین کے سامنے رکھتے ہیں کہ وہ نا صرف اس زبوں حالی اور اس کے ذمہ داران کے بارے میں آگاہ ہوتے ہیں بلکہ ان مسائل سے چھٹکارہ پانے کی خواہش بھی اس کے اندر سلگنے لگتی ہے۔ یہی وہ تحریک ہے جو قارئین کو سعی و جہد کی راہ سجھاتی ہے۔

ناول ''زینہ'' کا بیانیہ بہت مضبوط ہے، دہائیوں کی ریاضت کے بعد یہ خوبی حاصل ہوتی ہے جس کا اعتراف نہ کرنا خالد فتح محمد کی فنی خوبیوں سے اغماض برتنا ہے۔ ناول کے مرکزی کردار بلا کے ذہین، قسمت کے دھنی، اور طاقتور ہیں۔ بیانیے کی جادوگری سے ناول کی کہانی میں دل کشی پیدا کی گئی ہے۔ پورے ناول میں مرکزی کردار خود سے مکالمہ کرتا ہے۔ مرکزی کردار آوارہ ہے، جو بگڑے ہوئے نوجوانوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ ناول کا کینوس صحافتی مجلسی، سماجی زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ ناول ''زینہ'' سچائیوں کا اظہار ہے، بھوت بنگلہ کی بجائے حقیقت کی طرف سفر کرتا ہے۔ ناول میں معاشرتی تضاد کو سلیقے سے ابھارا گیا ہے۔ خالد فتح محمد نے فلسفہ اور تاریخ کو کہانی پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ وہ ناول کو ناول کے کینڈے میں رکھتے ہیں۔ ''زینہ'' ورکر کلاس کے انسان کی کہانی ہے، محبت و رومانس پر مبنی دہشتگردی اور افراد کے لاپتہ ہونے والے مسائل کے حوالے سے ایک سنجیدہ اور شعوری کاوش ہے۔ اس کا اسلوب متاثر کن ہے۔ ناول اپنی زبان، مضبوط پلاٹ، معاشرتی حقیقت نگاری اور کردار سازی کے حوالے سے انفرادیت کا حامل ہے۔

ناول ''زینہ'' مقصدیت سے جڑا ہوا ہے۔ اثر انگیز ناول ہے، قاری کی کایا کلپ کرتا ہے۔ واحد متکلم بیانیہ میں لکھا گیا ہے۔ ناول میں ''آدم بو'' ایک ایسے نوجوان کی کہانی ہے جسے زیست کامیابی کا ''زینہ'' چڑھنے پر اکساتی ہے، فہیم اور ہادیہ اہم کردار ہیں جو اپنے ہر فعل سے معاشرتی تضادات آجاگر کرتے ہیں، ناول پڑھتے ہوئے ان کرداروں کے بارے میں یہی لگتا ہے کہ ایسے کردار ہمارے اردگرد موجود ہیں، جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہے، انھیں میں خان زادہ اور مارتھا کا کردار ہے۔ جو کامیابی کا زینہ طے کرنے کے لیے ہر وہ کام کرتے ہیں وہ معاشرے کی نگاہ میں پسندیدہ قرار نہیں پاتے۔ ڈاکٹر شمع افروز زیدی کردار نگاری کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> ''کردار نگاری ناول کی جان ہے، قاری ناول کے ہر عنصر کو فراموش کر سکتا ہے لیکن جیتے

جاگتے ان کرداروں کو نہیں بھلا سکتا، جنھیں ناول نگار نے اپنی حقیقت نگاری سے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔" (۱۳)

خالد فتح محمد نے بھی اردو فکشن کو ایسے ہی جاندار اور جیتے جاگتے کردار دیے ہیں، جن کی چاپ ہمیں اپنے اردگرد سنائی دیتی ہے، جن کی اچھائی برائی ہمارے سامنے ہے، کچھ اخلاقی قدروں کو روندتے ہوئے راتوں رات کامیابی کا زینہ طے کرنے کے متمنی ہیں تو کچھ کچھوے کی چال چلتے ہوئے منزل کا حصول چاہتے ہیں، خالد فتح محمد ایک خاموش تماشائی کی طرح سب سے ملتے ہیں، سب کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں، ان کی ذہنی گتھیوں کو سلجھاتے ہوئے، معاشرتی بھول بھلیوں سے دامن بچاتے ہوئے خامہ و قرطاس سے ناتا جوڑتے ہیں اور ہمارے سامنے ایسے لازوال کردار پیش کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، یہی ایک اچھے فکشن رائٹر کی خوبی ہے۔

خالد فتح محمد کا نثری اسلوب دلچسپی سے خالی نہیں، ان کی تحریر میں تقسیم ہند سے پہلے کا رنگ بخوبی نمایاں ہے۔ ان کی پیدائش ۱۱۹پریل ۱۹۴۶ء کی ہے، لیکن ان کے گھر میں صاف، شستہ اور رواں اردو زبان بولی جاتی تھی، پھر انھوں نے دادی جان سے دیومالائی کہانیاں بھی سنی تھیں، وہ سارا لب ولہجہ ان کے شعور اور لاشعور کا حصہ بن گیا، بڑی بوڑھیوں کی کہاوتیں، ضرب المثل اور بڑے بوڑھوں کی نصیحت آموز باتیں، جن میں شفقت آمیزی بھی ہے اور زندگی کو نکھارنے کا سلیقہ بھی ہے، یہ سب کچھ ان کی گھٹی میں رچ بس گیا۔ دوسرے ان کی تحریر کا ایک وصف جو انھیں معاصر ناول نگاروں سے امتیاز بخشتا ہے، وہ جزئیات نگاری اور مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "جس نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہو، وہ اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا ہے" خالد کے ہاں بھی یہی کچھ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کے آٹھ ناولوں میں الگ الگ ذائقہ ہے، خوشبو ہے، موضوعاتی تنوع ہے، لسانی دائرے ہیں، گوجرانوالہ کے پہلوانوں کے لہجے کی گھن گرج بھی محسوس کی جاسکتی ہے، عام مزدور، پھل فروش، چائے والے کے کھوکھے کا لہجہ بھی دودھ پتی کے ذائقے کا احساس دلاتا ہے، نسوانی لہجہ بھی اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اگر جنگ و جدل کی بات کرتے ہیں تو توپ و تفنگ بن جاتے ہیں، عوامی مسائل کی بات کرتے ہیں تو ان کی زبان بن جاتے ہیں، گویا قاری کا تعلق کسی طبقے سے ہو، اسے ان کے ناول پڑھتے ہوئے اپنائیت سی محسوس ہوتی ہے، ان کے ناولوں میں جو مرقع نگاری ہے، اس کے نمونے کے جملے ملاحظہ ہوں:

۱۔ چور کا ساتھی بھی چور ہوتا ہے۔ ناول "زینہ"، ص ۱۲۸
۲۔ جج اور صحافی کا کام زبان سے کام لینا نہیں ہوتا ان کے فیصلے اور کالم بولتے ہیں۔ ص ۱۳۷
۳۔ بادبان کے بغیر دریا بھی تنہا ہوتا ہے۔ ص ۱۳۹
۴۔ فراغت کے بعد مرد نیند میں چلا جاتا ہے اور عورت جاگ جاتی ہے۔ ص ۲۴۲
۵۔ فرزانہ خوف سے بولائی ہوئی تھی۔ ص ۱۲۸
۶۔ عورت اپنی کتاب زندگی ایک دم نہیں کھولتی بلکہ ایک ایک سطر سامنے لاتی ہے۔ ص ۸۷
۷۔ ٹرے میں چائے کے پیالے اور ڈونگے میں چاول کی پھلیاں تھیں میں نے مٹھی میں ایک پھکا مارا۔ سانپ سے زیادہ سیراب، ص ۱۱۱

۸۔ ادویات کم اور الکوحل کی کپیاں زیادہ بکتی تھیں۔ ص ۱۱۳

۹۔ وہ خالی پیٹ نہیں آئی تھی اس کی نبض پاؤں گھسیٹ کر چلنے والے کی طرح چل رہی تھی۔ ص ۱۲۵

۱۰۔ حکیم کی نیم وا آنکھوں میں یادوں کی نیند تھی۔ ص ۱۲۷

۱۱۔ موٹے شیشوں کے پیچھے اس کی آنکھیں بے چین تھیں۔ ص ۱۲۸

۱۲۔ ہم لوگوں کی بیگمیں کہاں ہوتی ہیں؟ وہ تو بس خانہ پُری ہے۔ کوہِ گراں، ص ۷۹

۱۳۔ تمہاری بیگم کے گزر جانے کا افسوس ہوا۔ ص ۸۰

۱۴۔ حلیم کے نرم لہجے میں لوہے کی ٹھنڈک تھی۔ ص ۸۹

۱۵۔ نہر کے کنارے پہنچ کر گاؤں کی خستگی نے اسے معانقہ کیا۔ ص ۷

۱۶۔ چھوٹے سے صحن نے دانت نکوس کر اسے اندر آنے سے روکا۔ ص ۱۰

۱۷۔ اس کے بدن کے خطوط کئی دہائیاں عبور کر کے اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ ص ۳۲

۱۸۔ گڈو کے بدن اور کپڑوں سے اُٹھتی پسینے اور میل کی بدبو نے بھی قبرستان کو زندگی دے دی تھی۔ ص ۴۲

۱۹۔ ہم میلہ گھومنے جاتی ہی اس لیے تھیں کہ لڑکے ہمارے اردگرد منڈلائیں۔ ص ۲۷

۲۰۔ تمہارے ساتھ ایک تیلی ہے اور دوسرا موچی ص ۱۰۲

۲۱۔ ''نہر میں پانی آ گیا''، گڈو کی آواز میں آخر شب کا بھاری پن تھا۔ ص ۲۴۵

۲۲۔ ''نہر پانی سے بھر جائے گی''، حلیم کی سرگوشی میں ایک اسرار تھا۔ ص ۲۴۵

درجہ بالا جملوں کی زبان، محاورہ، روزمرہ، تراکیب اور نسائی لہجہ اس بات کی دلیل ہے کہ خالد فتح محمد اپنے ناولوں میں جس قسم کا کردار پیش کرتے ہیں، اسی کی ذہنی قابلیت کے لحاظ سے گفتگو کرواتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم آزاد زبان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''زبان دراصل وہ بنیادی قوت ہے جس پر واقعہ نگاری، کردار نگاری، معاشرہ نگاری اور مکالمہ نگاری کا پورا دارومدار ہوتا ہے۔ صاف و سادہ اور طاقتور زبان ہی ان اجزا کو بہ حسن و خوبی برتنے میں کامیابی دلا سکتی ہے۔''(۱۴)

خالد فتح محمد نے اپنے ناولوں میں جو لسانی رنگ بکھیرے ہیں۔ وہ تخلیق کے اعتبار سے لسانیات کے عمدہ نمونے ہیں۔ انگریزی الفاظ، اصطلاحات، محاورے، پنجابی چٹخارے اردو کی آمیزش کے ساتھ ایک نیا نثری اسلوب پیدا کرتے ہیں۔ ذیل میں کچھ محاورات کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

آبدیدہ ہونا، رنگ اڑنا، خاکستر ہونا، چاک ہونا، دم توڑنا، لٹو ہونا، روح پھونکنا، بیڑہ اٹھانا، زہر اگلنا، نیچا دکھانا، شرارت ٹپکنا، زقند بھرنا، تمسخر اڑانا، چال چلنا، کپکپی دوڑنا، آہ بھرنا، چولہا گرم کرنا، چولہا ٹھنڈا ہونا، کفر لگنا، بدک جانا، آنکھ مچولی کھیلنا، رنگ فق ہونا، کن کھجورے رینگنا، باغ باغ ہونا، نہال ہونا، کام تمام کرنا، کمادپیٹرنا۔

یہ محاورے ایسے گھروں میں کثرت سے بولے جاتے ہیں جنہوں نے ہجرت کے موسموں کے کرب سہے ہوں۔ اپنی تہذیب سے کٹ کر ایک اجنبی تہذیب سے پالا پڑا ہو، ایسے لوگ اپنی سابقہ تہذیب سے جڑنے کے لیے اپنی زبان کو زندہ رکھنے

کی کوشش کرتے ہیں۔ خالد فتح محمد کے ہاں یہ لسانی رویہ شدت سے موجود ہے۔ بلکہ اس رویے میں پنجاب کا اسلوب بھی اپنی جگہ بنا چکا ہے۔ اب ذرا ان کی انگریزی، پنجابی اور اردو اصطلاحیں ملاحظہ ہوں، جو واحد جمع کے صیغے میں لکھی گئی ہیں۔

سینری، سینریوں، فریم، فریموں، کیلنڈر، کیلنڈروں، پارٹی، پارٹیوں، پارٹیاں، فیکٹری فیکٹریوں، سکینڈل، سکینڈلوں، انیکسی، انیکسیوں، آرکیٹکٹ فلش سسٹم، ٹفن، بینڈل، لیزر ٹیکنالوجی، ڈز جیکٹ، ایڈ منسٹریٹر، شاپروں، پروفائل، ریکروٹنگ ایجنٹ،

Dress code, conducting officer route, Court marriage, irritate, secular, parent flock, handler, caretaker, surprise, plotting, leveling, first hand, epic center, weekends. Situation, message, consultancy firm, Gender exploitation, stereo type, High value target, status symbol, planner, theoretical,

گوجرانولہ میں اور پنجاب کے دیگر شہروں میں جو اصطلاحیں مستعمل ہیں، خالد محمد فتح نے اپنے ناولوں میں ان عوامی اصطلاحوں کا بڑی عمدگی سے استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں۔ الزاموں، بخشیں، سیخوں، بوٹیوں، بوٹیاں، اشرافیائی تنظیمیں، اشرافیائی مصلحین، مارشلائی دور حکومت خالد فتح محمد کو گوجرانوالہ کے گلی محلے اور بازاروں کے نام بھی ازبر ہیں۔ آپ بھی پڑھیے۔ آتما رام روڈ، ماڈل ٹاؤن، حبیب بنک والی مارکیٹ، بھابھڑیاں والا بازار، سول لائنز، کسیرہ بازار، ریل بازار، بخشے ولا محلّہ، بیری والا بازار، سیالکوٹی دروازہ، چن دا قلعہ، گوندلاں والا چوک، وڈا چوک، سیدنگری بازار، صرافہ بازار، شیراں والا باغ، ٹرسٹ پلازہ، شیخ دین محمد لائبریری، جناح لائبریری، ضیاء اللہ کھوکھر ریسرچ لائبیریری گوجرانوالہ سے ہٹ کر دیگر علاقوں کے بارے میں ان کی معلومات قابل رشک ہیں، کچھ نام دیکھیے: سمبڑیال، ہیڈ مرالہ، حافظ آباد، دریائے چناب، دریائے توی، مرالہ راوی لنک کینال اپر چناب کینال، بی آر بی کینال، بمبانوالہ، سیالکوٹ، نور پور کینال، کانگڑہ۔

خالد فتح محمد کا کینوس وسیع ہے وہ نہ صرف ملکی سطح پر جو فکشن لکھا جا رہا ہے اس کے بارے میں جانتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر لکھا جانے والا ادب بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں، افریقی عوام کی قحط سالی ہو یا یہودیوں کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم، نئے ہتھیاروں کی دوڑ ہو یا خلا کو مسخر کرنے کے مشن، ادب پروری ہو یا عوام کے زخموں پر مرہم رکھنے کی باتیں، وہ ایک صاحب بصیرت، چشم بینا، وسیع المشاہدہ اور وسیع المطالعہ، زیرک اور صاحب علم کے طور پر سامنے آتے ہیں اور ہمارے خوابیدہ ذہنوں پر دستک دے کر پھر سے کسی نئے ناول کی بنت میں جت جاتے ہیں۔ وہ بسیار نویس ہیں بسیار خور نہیں، زود ہضم ہیں، پیٹو نہیں کہ معدہ تیزابیت کا شکار ہو جائے، کھٹی ڈکاریں آنے لگیں یا ڈائریا آپ کو نڈھال کر دے اور ہفتہ دو ہفتہ کچھ کرنے کے قابل نہ رہیں۔ وہ بسیار نویسی میں بھی ایک تہذیب، سلیقہ اور ہنر مندی کے ساتھ اپنے دل و دماغ میں بننے والے پلاٹ کے تانے بانے کو اس طرح بُنتے ہیں کہ قاری نہ صرف اسے پڑھ کر محظوظ ہوتا ہے بلکہ مشتری ہوشیار باش کی صدا پر کان دھرتے ہوئے وطن دشمن عناصر سے بھی باخبر ہوتا ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ خالد فتح محمد کی یہ تحریریں کسی غیر مرئی قوت کا کارنامہ ہیں، آپ جانتے ہیں فکشن کی آڑ میں عوام کے سامنے سچائی کا اظہار کیا جائے تا کہ وہ ماضی سے سبق سیکھتے ہوئے حال کو بہتر اور مستقبل کردرخشاں بنانے کے رستے پر گامزن ہوں اور ابن الوقت قسم کے رہنماؤں کے پرکشش، دلفریب، خوشنما جال میں پھنسنے کی بجائے اپنے عقل و شعور، دانش و حکمت اور علم و فہم کی روشنی سے نہ صرف اپنی زندگیوں کو باوقار انداز میں گزارنے کا سلیقہ سیکھیں بلکہ ارضِ وطن کی ترقی و ترویج میں اپنا کردار ادا کریں کہ یہی علامہ اقبال اور قائد اعظمؒ کا خواب اور ویژن ہے۔ یہی مملکت خداداد پاکستان کا تقاضا ہے۔ پاک فوج کے اہل قلم اس سلسلے میں اپنا کردار باخوبی نبھا رہے ہیں۔ خالد فتح محمد بھی اس قلمی جہاد میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں، وہ پوری توانائیوں کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر رہے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ العلق: ۹۶: ۳۔۴

۲۔ میجر (ر) خالد محمد فتح سے بذریعہ موبائل فون ایک مصاحبہ، ۱۹ جولائی ۲۰۱۹ء، جمعۃ المبارک، وقت رات ساڑھے ۹ بجے سے ساڑھے ۱۱ بجے تک۔

۳۔ ایضاً: ۱۹ جولائی ۲۰۱۹ کو کلام شاعر بزبان شاعر کے مصداق خالد فتح محمد کی ناول نگاری کے حوالے سے ناول نگاری کے اسباب و علل جاننے کے لیے موبائل فون پر دو گھنٹے کا طویل مصاحبہ ہوا۔ خالد فتح محمد نے راقم کے سوالات کے جوابات دیے ان کا خلاصہ شامل مضمون ہے۔

۴۔ عابد علی عابد، سید، اصول انتقاد ادبیات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص: ۵۰۲

۵۔ سحر انصاری، پروفیسر، اکیسویں صدی اور ادیب، مشمولہ: مکالمہ، شمارہ نمبر ۲۰، کراچی: جنوری ۲۰۱۲ء، دسمبر ۲۰۱۳ء، ص: ۴۲۳

۶۔ خالد فتح محمد، کوہ گراں، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص: ۲۵

۷۔ ایضاً، ص: ۲۱

۸۔ ایضاً، ص: ۱۰

۹۔ ایضاً، ص: ۱۹۰

۱۰۔ طاہرہ سرور، ڈاکٹر، عساکر پاکستان کی ادبی خدمات اردو نثر میں، لاہور: اکادمیات، ۲۰۱۳ء، ص: ۱۴۷

۱۱۔ خالد فتح محمد، سانپ سے زیادہ سیراب، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص: ۵۲

۱۲۔ مہ جبیں اختر، خالد فتح محمد کی ناول نگاری، مقالہ غیر مطبوعہ، مملوکہ: لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص: ۱۹

۱۳۔ شمع افروز زیدی، ڈاکٹر، اردو ناول میں طنز و مزاح، لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۹

۱۴۔ اسلم آزاد، ڈاکٹر، اردو ناول آزادی کے بعد، دہلی: سیمانت پرکاش، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۹

☆......☆......☆